

انتخاب کلام حکیمیت

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر

روپ نرائن شیو پری شاگر



تنویری پریس مین آباد لکھنؤ

دوبا ہوا ہوں مثلِ سخنِ رنگِ سخن میں
گلُ ہو کے میں رہتا ہوں لطافتِ سخن میں



اس کو ناقدریِ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي هدانا لهذا

ما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله رب العالمين

والصلاة والسلام على من لا نبي بعده

ہر سبزہ کہ برکتِ رجوئے رستہ است
 گویا ز لب فرشتہ خوئے رستہ است
 پائے سبز سبزہ بخواری نہ نہی
 کمال سبزہ در خاک لالہ روئے رستہ است
 (خسرو)

پنڈت برج نرائن چکبست کشمیری خاندان کے چشم و چراغ
 تھے آپ ستمہ اعرام میں بمقام فیض آباد پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت
 اوت نرائن بہاریں ڈپٹی کلکٹر تھے اور خود بھی شاعر تھے۔ عمر کے دو ہی
 چار سال گزرے تھے کہ اپنے والدین کے ساتھ لکھنؤ منتقل ہو گئے۔ لکھنؤ کے
 بہترین ماحول اور رنگین فضا میں ان کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی چونکہ
 شاعری وراثتاً ملی تھی۔ یہی سبب ہے کہ ان کی طبیعت شاعرانہ تھی چھ سات
 برس کی عمر میں ایک بار اپنی والدہ کے ساتھ مندر گئے جہاں انھوں نے گنیش جی
 کی تصویر دیکھ کر بے ساختہ کہا "کیا شکل ہو آپ کی ابا ہا ہا۔" یقیناً ایک
 موزوں مصرع کہا جاسکتا ہو۔ ۱۰۵ء عرکینگ کالج لکھنؤ سے بی اے

کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۰۷ء میں ایل ایل بی پاس کر کے وکالت شروع کر دی طبیعت کے اعلیٰ رجحان اور لفوزی غلم کے باعث چکیت اپنی ابتدا ہی سے ہی نمایاں نظر آتے تھے اور طبعی رجحان کی وجہ سے شروع ہی سے شاعری کے دلدادہ تھے۔ دورانِ نسیم میں اُس وقت کے نصابِ نسیم کے موافق منجملہ اور اساتذہ فن کے آتش غالب اور انیس کا کلام ان کے زیرِ مطالعہ رہ چکا تھا۔ ان کی فنکارانہ طبیعت نے ان اساتذہ کے طرزِ کلام کو اپنایا اور ان کے رنگ کو پسند کیا جن کے تمام آثار ان کے کلام میں چھپکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

چونکہ لکھنؤ کے ماحول اور رواج کے بموجب علوم و فنون تیزی سے حاصل ہو رہے تھے۔ ۱۸۹۴ء میں جو تھی سوشل کانفرنس کشمیری پنڈتوں نے بمقام لکھنؤ منعقد ہوئی اس وقت چکیت کی عمر تقریباً ۱۲ سال ہی تھی کہ انھوں نے اپنی پہلی نظم حلیہ میں پڑھی جس کا مطلع حسبِ ذیل ہے۔

حُبِ قومی کا زباں پرانِ دنوں افسانہ ہو
بادۂ اُلفت سے پُر دل کا مرے پیانہ ہو

اس مطلع سے پورا پورا اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کی طبیعت میں فطری اور بلا کی ذہانت تھی اور شعر و شاعری کے لیے ایک موزوں طبیعت قدرت نے عطا کی تھی وہی چار سال کے اندر اچھی خاصی مشق حاصل کر لی ذیل میں ان کے کلام

کا کچھ نمونہ جو انھوں نے تقریباً سولہ سترہ برس کی عمر میں کہا تھا پیش کیا جاتا ہے جس کے
پڑھنے کے بعد یہ بغیر کے نہیں رہا جاسکتا کہ موصوف کو ہلاکی کا اہلیت غضب کی ذہانت اور
حد درجہ مہارت حاصل ہوگئی تھی۔ ملاحظہ ہو ۱۹۹۸ء یعنی سولہ سال کی عمر میں۔

ہاں نورِ ازلِ جلوہ گفتار دکھاوے

ہاں شمعِ زماں مطلعِ انوار دکھاوے

ہاں طبعِ رواں قُلمِ ذخائر دکھاوے

ہاں رنگِ سخن گلشنِ بے خار دکھاوے

گلزارِ معانی کا، مسکتا نظر آئے

طوطی چیمستان میں چہکتا نظر آئے

نظمِ دولت کا ایک بند ملاحظہ کیجئے۔

ہوں طالبِ تحقیق کہ ولدِ ادہ تعلیم

ختم سامنے دولت کے ہو سب کا سر تسلیم

سُنتے ہیں انھیں کے لیے ہو کوثر و تسنیم

یاں جو رہِ موئی میں لٹاتے ہیں زروِ سیم

دنیا، سچا میں کچھ ذکر نہیں تازہ، ہواں کا

دربار میں اللہ کے آوازہ، ہواں کا

ایک شعر ۱۹۹ء کا۔

گھٹا جو جہل تو سامانِ عز و جاہ بڑھے
شعور کو جو ترقی ہوئی گناہ بڑھے

ایک شعر ۱۹۰ء یعنی ۸ سال کی عمر میں ملاحظہ ہو۔

میں یہ سمجھا ابر کے رنگین ٹکڑے دکھ کر
تحتِ پریوں کا اڑالائی ہوا برسات کی

اندازہ ہوا کہ یقیناً آپ نے لکھنؤ کے شاعرانہ ماحول میں رہ کر شاعری
میں اس تیزی سے مہارت حاصل کی کہ اتنی کم عمر میں آپ کا کلام اساتذہ فن کے
مقابل رکھا جاسکتا تھا حکایت کے مزاج میں اپنی درجہ کی طرافت بھی تھی جب آپ نے
ایل ایل بی پاس کرنے کے بعد وکالت شروع کی تو شروع میں آپ کی وکالت
کیسی چلی اور آپ کا کیا حال تھا آپ بھی کہ ایک ہند سے صاف ظاہر ہوتا ہو
جو ذیل میں پیش کیا جاتا ہو۔ ملاحظہ ہو دفتر کا نقشہ۔

کوسوں سے عیاں جنبش یک پاؤں ہو
میز ایسی ہو گویا کہ پڑی پاؤں ہو
منشی کا ہو خطرہ نہ موکل کا گزر
آفس بھی عجب گوشہ تنہائی ہو

خواب میں جب ملک الموت مقابل آیا

دل ناشاد یہ سمجھا کہ موکل آیا

آغاز وکالت میں ہر دلیل کا حال یہی ہوتا ہو حکیمت صاحب چونکہ بے انتہا

ذہین واقع ہوئے تھے جلد ہی اچھے دلیل ہو گئے علمی قابلیت قومی ہمدردی کے علاوہ

ان کے ذاتی صفات ایسے تھے جنہوں نے ان کے احباب اور متعلقین کے دلوں کو تسخیر کر لیا

تھا ان کا اخلاق ان کے مزاج کی سادگی وغیرہ ان کے ملنے والوں پر جادو کا اثر رکھتی

تھی۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ صحیح نظام سچائی سے ہوتا ہے۔ خلاق معیار کو بڑھانا اور ملتان

کی اصلاح کو وہ ترقی سمجھتے تھے۔ مغربی شان اور نمائش سے اُن کو کوئی کشش نہ تھی۔

بلکہ ان کو نفرت سی متی ذیل میں پھول مالا کے کچھ شہار مش کے جاتے ہیں جن سے ان

کی طبیعت کا رجحان اور جذبات کا پتہ چلتا ہے۔

روشِ خام پہ مردِ دل کی نہ جانا ہرگز

داغِ قلم میں اپنی نہ لگانا ہرگز

رنگ ہو جن میں مگو بوائے وفا کچھ بھی نہیں

ایسے پھولوں سے نہ گھرنے سجانا ہرگز

نفلِ پورپ کی مناسب ہو مگو یا در ہے

خاک میں عزت تو می نہ ملانا ہرگز

رخ سے پردے کو اٹھایا تو بہت خوب کیا
 پردہ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز
 خاک میں دفن ہیں مذہب کے پرانے پاکھنڈ
 تم یہ سوتے ہوئے فتنے نہ جگانا ہرگز
 کاغذی پھول ولایت کے دکھاکوان کو
 دلیں کے باغ سے نفرت نہ دلانا ہرگز
 نغمہ قوم کی لے جس میں سما ہی نہ سکے
 راگ الیا نہ کوئی اُن کو سنانا ہرگز

اسی سلسلہ میں انھوں نے شراب پر جو فرمایا ہے اس کے چند شعر ہونہ کی طریقہ سے
 پیش کیے جا رہے ہیں۔

رفیق اس کی ہو مستی عدو شعور اس کا
 وداع ہوش کا سامان ہو ظہور اس کا
 خار مرگ جو لائے وہ ہو مسرور اس کا
 سیاہ قلب کو کر دے جو ہو وہ نور اس کا
 لگائے آگ کلبے میں جو وہ آب ہے یہ
 کرے جو طوفان قیامت وہ آفتاب ہے یہ

۱۱
زماں کے واسطے گور شک انگیں ہے یہ

مگر جگر کے لیے آب آتشیں ہے یہ

حکیمت کی علمی قابلیت کی آزمائش کے لیے ان کی زندگی میں کئی مواقع آئے

اول تو جب انھوں نے اپنی زیرِ ادارت لکھنؤ سے رسالہ "صبحِ امید" نکالنا شروع کیا

جو کچھ سرِ عام کے بعد منبر ہو گیا مشہور ۱۹۰۵ء میں یعنی جب کہ عمر صرف تیس برس کی تھی

گلزارِ اشیم کے مباحثہ میں جو انھوں نے اپنی علمی قابلیت کا ثبوت پیش کیا ہے وہ ایک

تاریخی واقعہ ہے۔ یہ زمانہ حکیمت مرحوم کی طاعلی کا تھا۔ مگر مولانا شرر کے جو ابا

جس خوبی اور جب قابلیت سے دیئے تھے وہ ان کے مذاقِ سلیم کا نمونہ ہیں۔ اس کا

اثر یہ ہوا تھا کہ تمام اہلِ قلم حکیمت کے ہمزبان رہے اور غیب کو حق بجانب ٹھہرایا۔

اسی موقع پر مولانا حسرت موہانی نے فرمایا تھا کہ مسٹر حکیمت نے جو جواب اردو

منٹلی میں دیئے ہیں۔ وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ اور خصوصاً سند کے اشعار بہم پہنچا

ہیں ان کی تلاشِ حیرت انگیز ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ غالباً مسٹر حکیمت کے

مضمون دیکھنے سے پہلے بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہو گا کہ ان کا کوئی جواب ہو

ہی نہیں سکتا لیکن مسٹر حکیمت نے جس محنت اور قابلِ تعریف تلاش کے ساتھ

اساتذہ کے اشعار کی مثالیں اور سندیں بہم پہنچائی ہیں اس کی داد ان کے

حرفِ فیض کو دینا پڑے گی۔ اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو اکثر غلطیوں کے

الزام سے تسلیم کو بری کرنا پڑے گا؟

مرزا محمد تفتیح شیرازی نے اپنی یادگار تصنیف ”مباحثہ گلزارِ نسیم“ میں لکھا ہے

”انصاف ہمیں یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ جناب حکیمیت کے قلم سے جو مضامین

جناب بشر کے اعتراضات کے جواب میں شائع ہوئے ہیں۔ اُن میں پوری شانِ تنقید

قائم ہے اور اپنے مخالفین کی شان میں ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا ہے جو

مذاقِ سلیم کے پایہ سے گرا ہوا ہو۔“

افسوس کہ ایسا رفیقا مروٹن پرستوں کا ایک درختانِ ستارہ کشمیری پنڈتوں

کی قابلِ فخر ہستی اور دنیا کے شاعری کا مہرِ عالمِ تاب صرف چالیس سال کی عمر میں

کہ جس عمر میں ایک رفیقا مروٹن شاعر اپنے معیار پر نہیں پہنچ پاتا ہے وہ ان تمام

فہرستوں کو پار کر کے ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۵ھ بمقامِ رائے پریلی

بہاں وہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے بلکہ یہ عارفہ فانیؒ چند

گفتگوں میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ تاریخِ وفات کے لئے بھی دوسرے

کے محتاج نہ ہوئے۔ انھیں کے شہرِ مصرع سے انھیں کی تاریخِ وفات منگلی۔

موت کیا ہو انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

۱۳۴۵ھ ہجری

حکیمیت کا عقیدہ تھا کہ محض خیالات کو توڑ مڑ کر نظم کردینا شاعری نہیں ہے

خیالات کی تازگی کے ساتھ زبان میں شاعرانہ لطافت اور الفاظ میں تاثیر کا جو ہر
 ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ حکیمیت کے کلام میں خیالات کی بلند پروازی اور شوکتِ الفاظ
 بہت زیادہ ہے آپ کے دیوان میں جدھر نظر اٹھا کر دیکھئے قدرتی مناظر اور مختلف
 جذبات کے خوب نظر آتے ہیں۔ واقعات کے نظم کرنے میں آپ کی قابلیت اور مشاقی
 مسلم ہے ایک جھوٹا اور معمولی واقعہ بیان کرنے کے لیے پہلو بدل بدل کر کئی کئی
 بند مسلسل لکھ جاتے تھے تشبیہات میں کمال حاصل تھا۔

فنِ شاعری میں خصوصاً غزل کے لیے محاکات اور تخیل کا ہونا ضروری ہے
 حکیمیت کے کلام میں دونوں چیزیں حدودِ وجہ پائی جاتی ہیں کہیں محاکات غالب
 اور کہیں تخیل حکیمیت نے زبانِ اردو کی شاعری اور ہنر پر داری میں ایسا عظیم نشان
 تغیر پیدا کیا۔ پرانے تنگ اور دشوار گزار راستوں کو چھوڑ کر ایک نیا انفرادی
 راستہ نکالا جس میں کچھ لطف ہی اور ہی غزل میں فلسفیانہ مضامین اخلاقی معیار کے
 ساتھ مل کر ناچکیمیت کا بہترین اور قابلِ قدر کارنامہ ہے ان کا کلام نے خیالات
 کا آئینہ اور ان کی زبان عام جذبات کی ترجمان ہے۔

اشعار ملاحظہ ہوں۔

وطن کے عشق کا بُت بے نقاب نکلا ہے
 نئے اُنق پہ نیا آفتاب نکلا ہے

عمر یوں علم کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہو
 اک تجارت ہو کہ دن رات چلی جاتی ہو
 ظاہر ہی حسن و لیاقت کے یہ دیوانے ہیں
 شمع دیکھی نہیں فانوس کے پروانے ہیں
 کاشش تن سے طبیعت کی جہلا کم نہ ہوئی
 روشنی شمع کے گھلنے سے ذرا کم نہ ہوئی
 جذبہ شوق کی تاشیر و کھا دیتے ہیں
 ہم وہ پیاسے ہیں کہ دریا کو بلا لیتے ہیں
 عاشقوں کا اور زندوں کا ہجوم عام ہو
 ہی گنہگاروں کا میلہ حشر جس کا نام ہو
 کیا کو پیس دکھاتی ہیں عالم ابھار کا
 آنچل سرک گیا ہو عروس ہمار کا
 تپش شوق کو موسیٰ کی نظر ہو درکار
 ورنہ دنیا میں تجلی نہیں یا طور نہیں
 دنیا سے لے چلا ہو جو تو حسرتوں کا بوجھ
 کافی نہیں ہی سر پہ گناہوں کا بار کیا

راحت طلب کو درد کی لذت نہیں نصیب
 تلواروں میں آئے جو نہیں لطفِ حار کیا
 ہر اک خشت کُنِ انسانہ دیرِ سہ کہتی ہی
 زبانِ حال سے ٹوٹے کھنڈر فریاد کرتے ہی
 چمکتا ہی شہیدِ دل کا اہو قدرت کے پردے میں
 شفق کا حُسن کیا ہی، پھول کی رنگیں کیا کیا ہی
 نکلی نہ صدا ایسی منفی کے گلو سے
 آتی ہی جو آوازِ ترنم لب جو سے
 فصلِ گل میں عشقِ گلِ فصلِ خزاں میں یادِ گل
 میں سیرِ الفتِ نیرنگِ گلشن ہو گیا

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حکیمیت کے کلام میں لطافتِ زبانِ حد
 درجہ پائی جاتی ہو ذیل کے کچھ شعرا ان کی لطیفِ طبیعتِ رحما ہوا مذاق اور آرٹ
 کے ذوق کے آئینہ دار ہیں ان اشعار میں حکیمیت نے اپنی فنکاری اور جودِ طبع
 کے ماتحت وہ انوکھا اندولِ خوش کن رنگ پیش کیا ہو جو ان کے ہم عصروں
 کے کلام میں نہیں پایا جاتا اور طبیعت کو بار بار بھی اس کلام کے پڑھنے پر
 سیری نہیں ہوتی۔

جان سے شوق سناش میں گزر جائیں ابھی
 قبر چاندی کی جو مل جائے تو مر جائیں ابھی
 لب و لہجہ میں لگاوٹ ہی طرح جاری ہے
 اکِ فقط رنگ پہ قابو نہیں لا چاری ہے
 ہو گیا ہی جو ذرا جا رہا ہوں پہ عبور
 تو غضب کی ہمہ دانی ہی قیامت کا غرور
 یوں ہوا کرتے ہیں یا ران کہن دل سے جدا
 جیسے پتوں سے گرا دیتی ہی پانی کو ہوا
 یہاں تسبیح کا حلقہ وہاں ذنار کا پھندا
 اسیری لازمی ہی مذہب شیخ و برہمن میں
 شباب آیا ہی پیدا رنگ ہی رخسارِ نازک
 فردغِ حُسن کتا ہی سحر ہوتا ہی گلشنِ میا
 دیکھنا ہی حُسن کے جلوے تربتِ خانے میں آ
 تیرے کعبے میں تو دے غط بس خدا کا نام ہی
 قہقہے لکھے ہوئے ہیں جو فر باد و قیس کے
 کھولے ہوئے درق وہ مر کا داستان کے ہیں

بلائے جاں ہیں یہ تسلیج اور زنا کے پھندے
 دلِ حق میں کوہِ اس قید سے سزا کرتے ہیں
 آجکل مہر و وفا میں ہی تجارت کی ادا
 کوئی بیکیں کا نہیں دوست بجز ذاتِ خدا
 نہیں ہوتا ہی محتاج نہالِش فیضِ شبنم کا
 اندھیری رات میں موتی لٹا جاتی ہو گلشن میں
 اترے ہیں صحنِ باغ میں کھیلوں کے قافلے
 نظریں دکھا رہی ہیں عروس ہنسار کو
 کچھ داغ گنہاموں کے ہیں کچھ اشکِ ندمت
 عبرت کا مرتع ہی مرے دامنِ تر میں !
 طلوعِ صبح کیا ہو۔ مرثیہ ہی رونقِ شب کا
 اڑا ہی رنگِ رُخِ مہتاب کا نورِ سحر ہو کر

چکبست کا اعلیٰ درجہ کا مزاج اور ذہن ان کی شاعری میں ہر جگہ سرگرم کار ہو جس
 مضمون کو جس طرح مناسب سمجھتے ہیں۔ شکوہ الفاظ کے ساتھ اور اعلیٰ درجہ کے
 معیار بیان پر ادا کر دیتے ہیں لیکن دامنِ خود واری، بلند بینی اور انچا اعلیٰ معاشر
 کا رکھ رکھاؤ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ فکِ طبیعت ان کے مزاج کا ایک

نمایاں عنصر بن گیا ہو جو حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

نہ بدلی ہو نہ بدلے گی ترنگ اپنی طبیعت کی
 دکھائے گا کہاں تک آسماں نیزنگیاں اپنی
 لے اُڑے دل کو طبیعت کی مددانی وہ ہے
 بے پے نشہ رہی جس میں جہانی وہ ہے
 زباں کو بند کریں یا مجھے اسیر کریں
 مرے خیال کو تیری نہیں سنا نہیں سکتے
 آپ معشوق ہیں متاقل نہیں جلاؤ نہیں
 دل دکھانے کے لیے حسنِ خداداد نہیں
 ہو گیا ہوں ساری دنیا کے گناہوں میں شریک
 جب سے میں نے یہ سنا ہو لکن کی رحمت عام ہو
 غنچے عدم سے آئے ہیں پہنے ہوئے کفن
 انجام ہو نظر میں دو روزہ ہزار کا
 آہر دیکھا ہو تمناؤں میں مرنا
 دین کیا ہو کسی کا مل کی پستش کرنا !

خاموشی میں یاں رہتا ہو شیخ کا عالم
 میرے لبِ خاموش پہ انسانہ ہی میرا
 بدھاری منزل ہستی سے کون بے اعتنائی سے
 تنِ خاکی کو شاید روح نے گردِ سفر جانا
 اعمال کا تسلیم ہو نیسب رنگِ زندگی
 تقدیر کیا ہی گردشِ لیل و نہار کیا
 انسان کے بغض و ہنس سے دنیا تباہ ہو
 طوفان اُٹھا رہا ہی یہ مُشتِ عنبِ ار کیا
 پہلو میں کسی کے دل دیوانہ نہیں ہو
 ہیں مردِ مگر ہمتِ مردانہ نہیں ہو
 زرِ آپ نہیں دشمنِ اخلاق و ادب ہو
 جو حد سے گزر جاتی ہو وہ اس کی طلب ہے
 جو خود نہیں سرگرم کرے گا وہ بشر کیا
 جب دل میں نہیں دردِ زباں میں ہوا نہ کیا

یوں تو شاعرِ فطرتِ احساس ہوتا ہی لیکن حکایت کے یہاں شدتِ احساس
 کے ساتھ قوتِ ادراک بھی ہی یہی وجہ ہے کہ وہ عالمِ روزگار سے متاثر ہونے

کے ساتھ ساتھ اس کا مردانہ وار مقابلہ بھی کرتے تھے اور ان کی عالی ہمتی
غالب رہتی تھی۔ ملاحظہ ہو۔

سمجھ لیا کہ ہمیں رنج و درد سہنا ہے
مگر زباں سے کہیں گے وہی جو کہنا ہے
وگے نہ پاؤں محبت کے نوک خنجر پر
لوہ کی مہر ہی اپنی وفا کے محضر پر
بیل کی طرح شور مچاتے ہیں رات دن
جو آشنائے لذتِ درد نہ ساق نہیں

چلبست ایسے خود بین و خود پسند اور ایسے خود دار تھے کہ بندگی میں بھی
آزادی کو پرستار رکھتے تھے۔ جس کا موجب ان کا خاندانی
ماحول ان کی غلو ہمتی اور گرد و پیش کے حالات تھے سب سے زیادہ دخل
ان کی اس روش میں ان کی آزادانہ طبیعت اور عالی حوصلگی کا تھا۔

رنج و راحت کا سبب دنیا میں کچھ پایا نہیں
حشر میں ہم صاف کہہ سیکے خدا کے سامنے
رہتے ہیں سدا فکر میں عقبیٰ کی گرفتار
دنیا کے فراموش سے نہیں ان کو سوکار

کچھ طلسم و سحر نیش کا نہیں کھلتا کمال
 پیر مگر دوں کے ستم سے مجھ کو حیرت ہی کمال
 میں نظام و سرکار میں کچھ مصلحت پاتا نہیں
 اسی سمندر کا مجھے ساحل نظر آتا نہیں

ہمارے اور زہدوں کے مذہب میں فرق اگر ہی تو اس قدر ہی
 کہیں گے ہم جس کو پاس انساں وہ اُس کو خوف خدا کہیں گے
 اہل نیش کو تو ہستی میں خدا کی شک ہی
 اُن پر حیرت ہی جو بندے کو خدا کہتے ہیں
 بچی کھچی یہ قناعت ہی لوں نہیں پیتے
 پلانے والا پلاتا ہی کیوں نہیں پیتے
 محبت ہے مجھے کوئل کے درد انگیز نالوں
 جن میں جا کے میں پھولوں کا شیدا ہوں نہ سکا
 منزل عیش مجھے غم و شہ گناہ ہی
 دل وہ یوسف ہی جسے فکر خریدار نہیں
 اوب آواز ہی ہر ایک ذرہ اپنی فادہ کا
 نہیں ممکن کہ گرد آڑ کر پڑے رہے دیکھ کے اُنچ

نظم کا ایک بند ملا حفظ ہو۔

یاں طعنہ و تشنیع کی پروا نہیں مجھ کو
تحنین و ستائش کی تمنا نہیں مجھ کو
نیرنگی، اسلاک کا شکوہ نہیں مجھ کو
کچھ فکر ہو شہرت کی یہ سودا نہیں مجھ کو
ڈوبا ہوا ہوں مثل سخن رنگ سخن میں
گل ہو کے میں رہتا ہوں لطافت کے چین میں

اس سلسلہ میں اُن کی عالی حوصلگی اور اقتدار پرستی سے احترام اُن کی ایک عظیم

جولاندہ کوزن و السرائے ہند کے مقابلہ میں کہی گئی تھی حقیقت کو آئینہ دار کرتی ہے۔

جس کو یہاں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ شب تار میں تاروں کا فلک پر جگمگٹ
چھپ گیا آنکھ سے بدلی جوز میں نے کر دٹ
دیکھنا شرق میں وہ صبح کا تارا جس کا
وہ غروب سحرِ نور نے اُٹا گھونگٹ
بڑھ کے روضوں نے وہ جنت کے دریچے کھولے
آئی وہ گلشنِ فردوس سے پھولوں کی لپٹ

چونک اٹھا پیر فلک بانگ لگائی ایسی!
 مرغ نے گریہ مسکین کی جو پائی آہٹ
 آئے ہیں آپ تو کچھ حضرت کو زن سنیے
 آپ اگر منہ کے کڑے ہیں تو ہوں میں بھی مہر
 آگیا طیش مجھے دل کا نکالوں گا غبار
 صاف کہتا ہوں نہیں بات میں اپنی ہنوت
 خوب بو بھار ہوئی چار طرف سے تھہ پر
 پائیر کو بھی نہ خوش آئی تری زینت
 تاج وقت کا اٹھا سر سے ترے چلتے وقت
 بے چراغ آئے نظر صبح کو جیسے ڈیوٹ
 یا الہی یہ چسلی بادِ مخالف کیسی
 آگیا اڑ کے جو لندن سے یہ کوڑا کرکٹ
 ہیں مگر ملک میں دو چار تہمتن یاں بھی
 آستیں تیرے مقابل میں جو لیتے ہیں اٹ
 یاد رکھ حشر تلک بھی نہ تجھے بھولے گی
 گو کھلے کی وہ چیتھاڑ اور مہتا کی ڈپٹ

اب بھی آہوش میں انداز حکومت کو بدل
 مرد ہو کر تجھے واجب نہیں یہ تر باہٹ
 بیٹھ کر کئی وزارت پہ سنبھل کر پیارے
 آہِ مظلوم نے شاہوں کے دیئے تخت الٹ

لے غزوں سخن اشہر رے جو بن یترا
 لاٹ صاحب کو بھی ناتھے ہو تری زلف کی

چکبست پامال راہ میں چلنا اپنی توہین سمجھتے تھے ان کی زبان بیان و فکر
 میں ایک نئی کیفیت ہو ہر سمت انھوں نے ایک نیا راستہ پیدا کیا ہو۔

ہم جہاں ہیں انجمن کی وضع اپنے ساتھ ہو
 جس جگہ ہو نچے وہیں عالم سنایا ہو گیا
 زندگی یوں تو فقط بازی طفلانہ ہو
 مرد ہو جو کہ کسی رنگ میں دیوانہ ہو
 عاشق بھی ہیں معشوق بھی یہ طرفہ مزا ہو
 دیوانہ ہوں میں جس کا وہ دیوانہ ہو میرا
 نفاق گبر و مسلمان کا یوں مٹا آ خر
 یہ بُت کو بھول گئے وہ خدا کو بھول گئے

عقل کیا چیز ہے یہ وضع کی پابندی ہے
 دل کو مدت ہوئی اس قید سے آزاد کیا
 شہرت خاص کا طالب جو ہونا ہے وہی
 ورنہ شیطان سے زیادہ کوئی مشہور نہیں
 دل صورت آئینہ جو روشن نہیں ہوتا
 زہار پہننے سے برہن نہیں ہوتا!
 محبت میں بنا لیتے ہیں اپنا دوست دشمن کو
 جھوٹا ہی ہمارے عاجزی سرکش کی گردن کو

حکایت نے کہیں کہیں غزل سے نوحہ گویا کر کے مرثیہ کا کام

لیا ہے۔

باغیاں نے یہ انوکھا ستم ایسا کیا
 آشیاں پہو کر کے پانی کو بہت یاو کیا
 عدم سے آئے تھے دنیا میں کیا معلوم تھا ہم کو
 رہو گا نہ فخر سودا زندگی کا اور دس سو کو
 آتش شہی، ہی کا نور ہے اُس کے آگے
 دل :- جو آگ چھاپے ہو کے پروا نہ ہے

افسردہ خاطر ان چین کو خستہ نہیں
 آیا بھی اور گھیا بھی زمانہ بہار کا
 دار سونی ہو فقط نفسِ زنی باقی ہو
 مست و مجذوب ہیں لاکھوں کوئی منظور نہیں
 خلعت کفن کا ہم تو زمانہ سے لے چکے
 اب لے عروس مرگ مجھے انتظار کیا
 ولی ناشاد روتا ہو زباں اٹ کر نہیں سکتی
 کوئی سنتا نہیں یوں بے نوا فریاد کرتے ہیں
 ہجوم بیکسی ہو شام تنہائی ہو اور میں ہیں
 صدائے چارہ گر برہم نہ کرے یہ سماں میرا
 ملک میں دولت نہیں باقی دوا کے واسطے
 ہاتھ خالی رہ گئے ہیں اب دوا کے واسطے
 زندگی نام ہی جس کا اُسے کھو بیٹھے ہیں
 اب اُمیدِ دل کی فقط جلوہ گری باقی ہو

چکبست پابندی رسوم و قیود سے آزاد ہونے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے

کیا ہی فاش پردہ کفر و دیں کا اس قدمی
 کہ دشمن ہی برہمن اور عدد شیخ حرم میرا
 ورد دل، پاس وفا جذبہ اکیاں ہونا
 آدمیت ہی بھی اور یہی انساں ہونا
 جناب شیخ کو یہ مشق ہی یاد الہی کی
 خبر ہوتی نہیں دل کو زباں سے یاد کرتے ہیں
 ہائے اس دنیا کی پابندی عجب دلگیر ہے
 خود ہنستا ہی ہے انساں یہ وہ زخمیر ہی
 نام مردوں کا ازل سے ہی اب تک زندہ
 لوگ دنیا کو عبث دار فنا کہتے ہیں!

چکیست کی معنا پسندی ان کو دنیا و الہی سے بے نیاز اور فرار سے
 گویاں ہونا سکھاتی ہی۔ سُنئے

خود ہی شا کے جو ہر ایمان و آبرو
 ہم کوستے ہیں گردش میں و نہار کو
 نظر آتا ہی فقیری میں تاشائے جہاں
 ٹھیکرا بھیک کا جمشید کا پیمانہ ہی

دشمنِ دنیا پہ رہتا ہوں مانند مرغِ بو
 شاخِ سحر کو بارِ مرا آشیاں نہیں
 چکبستِ نتوازم اور تندِ ستِ ذہن کے مالک ہیں۔ اس لیے مصیبت
 کے سخت سے سخت دار بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

تو نظر بند ہی جلوہ ہی ترا ہر گھر میں
 شمعِ فانوس میں ہی نور ہی محفلِ بھر میں
 ہو یہ صورت سے عیاں عاشقِ آزادی ہیں
 قفلِ ہی جن کی زباں پر یہ وہ فریادی ہیں
 جس کا اقبالِ زمانہ میں چمک جاتا ہے
 اُس کو بچپن کے رفیقوں سے حجاب آتا ہے
 اسیرِ ضبط ہو کر تنگ ہی مسند میں زباں اپنی
 رگِ گردن سے نکلی ہی لہو بن کر نفاں اپنی
 فسانہ ہو گئے آزاد دشمن کی بُرائی کے
 لگے وہ زخمِ دل پر دوستوں کی بوفیائے
 جہاں میں رہ کے یوں قائم ہوں اپنی بے ثباتی پر
 کہ جیسے عکسِ گل رہتا ہے اب جوئے گلشن میں

اس کو ناقدری عالم کا صیقلہ کہتے ہیں
 فرگئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا
 زندگی تلخیِ آیام کا نشانہ ہے
 زہر بھرنے کے لیے عمر کا پیمانہ ہے
 وہ دن گئے کہ تجھ سے لرزتے تھے اے اجل
 اب زندگی ہی نام ترے انتظار کا
 سبقِ عمر رواں کا دل نشیں ہونے نہیں پایا
 ہمیشہ بھولتے جاتے ہیں جو کچھ یاد کرتے ہیں
 سیکڑوں پھول کھلے پر نہ کلی دل کی کھلی
 ہم نفس میں نہیں شرمندہ تاثیر ہمار
 مرے احباب پیش آتے ہیں مجھ سے بیوائی سے
 وفاداری میں شاید کدو ہی ہیں امتحان میرا
 کیا دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی
 واشر وہ زمیں نہیں وہ آسماں نہیں

پاک ہی جوش سخن خوف کی تدبیروں سے
 دلوں کے روح کے آزاد ہیں زنجیروں سے
 اٹھیں گے خاک کے توہوں سے و شکر اپنے
 زمین ہند کی اگلے گی سورہ سیر اپنے
 اس کے میدانِ ترقی میں پلٹنے کے نہیں
 یہ قدم وہ ہیں جو بڑھ جائیں تو ٹپنے کے نہیں
 کیوں ڈراتے ہیں عبت گبر و مسلمان مجھ کو
 کیا مٹائے گی بھلا گردشِ دوراں مجھ کو

حکومت کی شخصیت نہ ہی لدا خلاقی سہاروں کے بجائے انسانی سہارے
 و مضمون مدہتی ہو۔ کہتے ہیں۔

کچھ بڑی بات نہیں فاضلِ دوراں ہونا
 آدمی کے لیے معراجِ ہواں ہونا
 تیری خدمت سے ہو حجاب کی مشکل اس
 دین تیرا تھا ہی اور یہی تھا اسکا
 نہ دولت یاد آتی ہو نہ غم ہوتا ہی شوق
 جے روتی ہو دنیا وہ ہی جو ہر آدمیت کا

خدمتِ انساں نیساں کبریا ہوتی رہی
 دل کے آئینہ پہ مذہب کی جلا ہوتی رہی
 جس گوشہ دنیا میں پرستش ہو وفا کی
 کعبہ ہی وہی اور وہی بت خانہ ہی میرا
 خدمتِ انساں سے دل کو آٹا کرتے رہی
 دل کے آئینہ پہ لفت کی جلا کرتے رہی

یا خوفِ خدا یا خوفِ قضا ہیں دو ہی بیاں تیرے واعظ
 اللہ کے بندے دل میں ترے ہی سوز و گداز محبت بھی
 چکبستِ جدت پسند ہیں اور سا زندگی کے ہر تار پر ایک نغمہ ہیں

فیبِ زندگی جس نے نہ دیکھا ہو مجھے دیکھے
 نہ سینے میں ہی دل اپنا نہ منہ میں ہی زبانِ اپنی
 کھڑی تھیں رستہ روکے ہوئے لاکھوں تمنائیں
 شہید یا س ہوں نکلا ہی کس شکل سے دم میرا
 زندگی کیا ہی عناصر میں ظہورِ ترتیب !
 موت کیا ہی انھیں اجزا کا پریشاں ہونا

گھٹا جو جہل تو سامانِ عسیر و جاہ بڑھے
 شہر کو جو ترقی ہوئی گنہ بڑھے
 دُنیا کا ہو گیا ہی یہ کیسا لہو سفید
 اندھا کے ہوئے ہی زرو مال کی امید

چکبست نے ادب سے انسان کا رشتہ جوڑا اور انسان کی عظمت کا
 راز و افش کر دیا۔ فرماتے ہیں۔

دلِ احباب میں گھر بہ شگفتہ رہتا ہی نظر
 یہاں جنت ہی میری اور یہی باغِ ادم میرا
 دردِ الفتِ زندگی کے واسطے اکیر ہی
 خاک کے پیلے اسی جو ہرے انسان ہو گئے
 صفائے قلب سے اللہ کے انسان کی عظمت
 فرشتے چومتے ہیں آکے سنگِ آستانِ میرا

چکبستِ ضایتِ پنہ تھے لیکن ان کے تلخ تجربوں نے ان کی ہنسی کو ہر قد
 میں اور نشاکو ایک طنز بھرے پنہار میں بدل دیا غمِ روزگار اور حالات نے اتنا
 متاثر کیا کہ ان کی زندگی میں ایک چھین پیدا ہو گئی۔

زیاں ہی بندتلم کو پہنائی ہو زنجیر
 بیان درد کی باتی نہیں کوئی تدبیر
 ہی دل میں درد مگر طاقت کلام نہیں
 لگے ہیں زخم ترپنے کا انتظام نہیں
 اگر دلوں میں نہیں اب جوش غیرت کا
 تو پڑھ دو فاتحہ قومی وقار و عزت کا
 وفا کو ٹھونک دو ماتم کرو محبت کا
 جنازہ لے کے چلو قوم و دین و ملت کا
 نشانِ مٹا دو منگوں کا اور ارادوں کا
 اہو میں غرق سفینہ کرو مرادوں کا !
 شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
 کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی
 زمانے کی محبت پر نہ ہو لے ہم نشیں نازاں
 سنائیں گے تجھے فرصت میں قصے آشنائی کے
 کیا کہیں کس سے کہیں دنیا میں کیا کرتے رہی
 بدعتیں ہوتی رہیں شکرِ خدا کرتے رہے

شہید یا س ہوں رسوا ہوں ناکامی کے ہاتھوں
 جگر کا چاک بڑھ کر آگیا ہی میرے دہن میں
 ازل کے دن مٹا دینا تھا اس مٹی کی صورت کو
 جگائے جس نے فتنہ آفرینش کے بشر ہو کر
 یہ غلط ہی کہ ہمیں طسیر زیناں یاد نہیں
 اب وہ عالم ہی کہ گنجائش نہ یاد نہیں
 یاد احباب گزشتہ پہ فدا رہتا ہے
 دلِ تاشاد بھی شمع کا پروانہ ہی
 پھیلی ہی جیسے گورغریاں میں چاندنی
 عالم یہ ہی خوشی میں دلِ داغدار کا
 مفلسی میری محبت کی کسوٹی بن گئی
 ہمت احباب کے جو ہر نمایاں ہو گئے

حکمت کی آہ ہیں ایک گہری حقیقت کی طرف لے جاتی اور یہاں
 وہ شاعر نہیں بلکہ فلسفی نظر آتے ہیں اور زندگی کے لیے ایک پیغام سناتے
 ہیں فرماتے ہیں ۔

۳۵
 اُن پہ حسرت ہی جو یوں دیتے ہیں غم گنیوں کو دم
 خواب یہ دنیا ہی یاں کسی خوشی کیا الم !
 انتظام دہر میں آخر ہی پھر تدبیر کیا
 خواب دنیا ہی تو ہی اس خواب کی تعبیر کیا
 جس جا ہو خوشی ہی وہ مجھے منزلِ حیات
 جس گھر میں ہو ماتم وہ عزا خانہ ہی میرا
 میں دوست بھی اپنا ہوں عدو بھی نہیں اپنا
 اپنا ہی کوئی اور نہ بیگانہ ہی میرا
 جہاں میں آنکھ جو کھولی فنا کو بھول گئے
 کچھ ابتدا ہی سے ہم انتہا کو بھول گئے
 فنا کا پیش آنا زندگی کا دروسِ جاننا
 اجل کیا ہی ٹھمارِ بادۂ ہستی اُتر جانا
 کشاکش ہی اُمید و یاس کی یہ زندگی کیا ہی
 الٰہی ایسا ہستی سے تو ہی اتھپا عدم میرا
 جس پہ احباب بہت روکے فقط اتنا تھا
 گھر کو دیر ان کیا قسیر کو آباد کیا

راحت سے بھی سزائے ہی رحمت کی آرزو

دل ڈھونڈتا ہے سلسلہ انتظار کوہِ

شب کو بہار پر وہ شبنم میں رہ گئی

انجام سوچ کر حسین روز گار کا

اک سلسلہ ہوس کا ہی انسان کی زندگی!

اس ایک مُشتِ خاک کو غم دو جہاں کے ہیں

زندگی میری اسیری کی فقط تمہید ہے

دام میں دانے مری قسمت کے نہاں ہو گئے

حکایت اس درجہ وطن پرست تھے کہ اُن کا قول تھا جس انسان میں

وطن پرستی کا مادہ نہیں وہ درجہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ ذیل کے

کچھ اشعار اُن کے قومی شاعر ہونے کا پورا پورا ثبوت دیں گے۔

کہ شمع یہ بھی ہے اے بے خبر افلاس قومی کا

تلاشِ رزق میں اہل ہنر کا در بدر جانا

یہاں کی خاک ہم کو کیمیا ہے

یہ سونے سے بھی قیمت میں سوا ہے

وطن کا جن بزرگوں سے ہوا نام
 اسی مٹی میں وہ کرتے ہیں آرام
 مست ہوں حب وطن سے کوئی منجور نہیں
 مجھ کو مغرب کی نمائش سے سروکار نہیں
 اگر ہو مرد نہ یوں عمر رائیگاں کا ٹو
 غریب قوم کے پیروں کی بیڑیاں کا ٹو
 لوگ کہتے ہیں کہے شان عبادت کیا ہے
 خدمت قوم نہیں ہی تو ریاضت کیا ہے
 جذبہ شوق سے خالی نہ ہو سودائے شباب
 وہ جوانی ہو جو اس شوق میں برباد رہے
 یہ کیسی بزم ہی اور کیسے بیکے ساتی ہیں
 شراب ہاتھ میں ہی اور پیلا نہیں سکتے
 غرورِ جہل نے ہندوستان کو لوٹ لیا
 بھڑکنا کے اب خاک بھی وطن میں نہیں
 دل میں اس طرح سے ارمان ہیں آزادی کے
 جیسے گنگا میں جھلکتی ہو چمک تاروں کی !

زباں سے جُوشِ قومی دل میں پیدا ہو نہیں سکتا
 اُبلنے سے کنواں وسعت میں دریا ہو نہیں سکتا
 زباں کے زور پہ ہنگامہِ رائی سے کیا حاصل
 وطن میں ایک دل ہوتا مگر دردِ آشنا ہوتا
 وطن کی خاک سے مرکز بھی ہم کو کشا باقی ہو
 مزا داماں مادر کا ہی اس مٹی کے دامن میں
 بشر کا دل وہ نہیں سنگِ خشت ہو لاریب
 کہ جس میں دردِ محبت نہ ہو وطن کے لیے
 ہم پوجتے ہیں باغِ وطن کی ہسار کو
 آنکھوں میں اپنی پھول سمجھتے ہیں خار کو
 وطن میں بے وطن مجھ کو کیا ہوا کفن و گرنے
 نہ میں ہندوستان کا ہوں نہ ہی ہندوستان میرا

ایسی سلسلے نظم "خاکِ ہند" کے چند بند بھی

ملاحظہ ہوں۔

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہوئے وہ جاری
 چین و غم میں جن سے ہوتی تھی آبیاری

سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابرطاری
چشم و چراغِ عالم تھی سُر میں ہماری
شمعِ ادب نہ تھی جب خواب کی انجن میں
تا باں تھا مہرِ دانش اس دادی کُن میں

شیدائے بوستاں کو سروِ سنِ مبارک
رنگینِ طبیعتوں کو رنگِ سخنِ مبارک
بیل کو گلِ مبارک گل کو چمنِ مبارک
ہم بکیسوں کو اپنا پیارا وطنِ مبارک
غنجے ہمارے دل کے اس باغ میں کھلیں گے
اس خاک سے اُٹھے ہیں اس خاک میں ملیں گے

ہو جوئے شیرِ ہم کو نورِ سحرِ وطن کا
آنکھوں کی روشنی ہو جلوہ اس انجن کا
ہو رشکِ مہرِ ذرہ دس منزلِ کہن کا
تُلتا ہو برگِ گل سے کا شا بھی اس چمن کا
گرد و غبارِ ریاں کا خلعت ہو اپنے تن کو
مر کر بھی چاہتے ہیں خاکِ وطن کفن کو

گو تم نے آبرو دی اس معبودِ کهن کو
 سرِ بد نے اس زمیں پر صدیے کیا چین کو
 اکبر نے حاکمِ اُلفت بخشا اس انجن کو
 سینچا لہو سے اپنے رانے اس چین کو
 سب سُرِ بیر اپنے اس خاک میں نہاں ہیں
 ٹوٹے ہوئے کھنڈریں یا ان کی ہڈیاں ہیں
 اگلی سی تازگی ہو بھولوں میں اور بھلوں میں
 کرتے ہیں قصے اب تک طائرِ جنگلوں میں
 اب تک وہی کڑک ہو بجلی کی بادلوں میں
 پتی سی آگئی ہو بیروں کے حوصلوں میں
 گلِ شمعِ انجن ہو گو انجن وہی ہے
 حُبِ وطن نہیں ہو، خاکِ وطن وہی ہے
 برسوں سے ہو رہا ہو برہم سماں ہمارا
 دنیا سے مٹ رہا ہو نام و نشان ہمارا
 کچھ کم نہیں اجل سے خوابِ گراں ہمارا
 اک لاشِ بے کفن ہو ہندوستان ہمارا

علم و کمال اپنے برباد ہو رہے ہیں
عیش و طرب کے بندے غفلت میں سو رہے ہیں

ذیل میں چند بند ان کی نظم "ہوم رول" کے پیش کیے جاتے ہیں جن سے
ان کے جذبات و تاثرات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

وطن پرست شہیدوں کی خاک لائیں گے
ہم اپنی آنکھ کا سرمہ اسے بنائیں گے

غریب ماں کے لیے درود دکھا اٹھائیں گے
یہی پیام دنیا قوم کو سنائیں گے

طلب فضول ہو کانٹے کی پھول کے بدلے

نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

بے ہوئے ہیں محبت سے جن کی قوم کے گھر

وطن کا پاس ہو ان کو سہاگ سے بڑھ کر

جوشیر خوار ہیں ہندوستان کے لخت جگر

یہ ماں کے دودھ سے لکھا ہوا ان کے سینہ پر

طلب فضول ہو کانٹوں کی پھول کے بدلے

نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

زباں کو بند کیا ہو یہ غافلوں کو ہی ناز
ذرا رگوں میں لہو کا بھی دیکھ لیں انداز

رہی گا جان کے ہمراہ دل کا سوز و گداز
جتنا سے آئے گی مرنے کے بعد یہ آواز
طلب فضول ہو کانٹوں کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

چکبست انتہائی وطن پرست تھے۔ اکثر معاملات میں محبان وطن اور قومی لیڈروں
سے اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔ وہ سچی آزادی اور حقیقی بہبودی کے دلدادہ تھے سطحی
چیزوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا ذیل کے چند اشعار سے ان کا اصل رجحان
اور اصل مقصد آزادی نمایاں ہوتا ہے۔

یہ ہنٹائی کس کی ہو گی مجھ کو حیرت ہی یہی
قافلہ میں قوم کے سب بیٹھا ہونے کو ہیں

ہو طلب گاروں میں غل کچھ سرٹھانا چاہیے
قوم کے دربار سے خلعت عطا ہونے کو ہیں

جن کو منرل سے زیادہ ہی ہو اکار رخ عزیز
قوم کے بیڑے کے لیے ناخدا ہونے کو ہیں

مادرِ ناشادِ لدوتی ہی کوئی صنتا نہیں
دل جگر سے بھائی سے بھائی جدا ہو کر ہیں

اُن کی نظم "سرباد قوم" کے بھائی چند بند ملا خط ہوں۔

بھنوری قوم کا بیڑا ہی ہندوؤں پریشمار

اندھیری رات ہی کالی گھٹا ہی اور منجھدار

لاگڑے رہو غفلت کی نیند میں سرشار

تو زیرِ موجِ فنا ہو گا آبرو کا مزار

مٹے گی قوم یہ بیڑا تمام ڈوبے گا

جہاں میں ہمیشہ وار جن کا نام ڈوبے گا

دکھاؤ جو ہر اسلام اے مسلمانو

دستِ اِرقوم گیا قوم کے نگہبانو

ستونِ ملک کے ہو قدرِ قومیت جانو

جفا و ظلم پہ ہو سرِ رض و فدا کو پہچانو

نبی کے خلق و مروت کے ورثہ دار ہو تم

عرب کی شانِ حمیت کے یادگار ہو تم

کو دنیاں کچھ سلاف کی حمیت کا!
دیا تھا دشمن قاتل کو جام شربت کا

مسلمہ ہی یہاں بھائیوں کی عزت کا

پیشہ رضی عین ہی سودا نہیں مروت کا

اگر نہ اب بھی ہوا اسلام کا جگر پانی

ہزار خندہ کنسراست بر مسلمان

رہے گا مال نہ ہمراہ جائے گی دولت

گئی تو قبر تک ساتھ جائے گی ذلت

کرد جو ایک روپے سے بھی قوم کی خدمت

تمہاری ذات سے ہی اک یتیم کو راحت

ملے حجاب کی چادر کسی کی عصمت کو

کفن نصیب ہو شاید کسی کی میت کو

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہی

نثار ہو نہ وطن پر تو آبرو کیا ہی

لگائے آگ نہ دل میں تو آرزو کیا ہی

نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہی

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہو وہ

جو یہ نہیں تو فقط ہڈیوں کا ڈھیر ہو وہ

جہاں تک اساتذہ کی اتباع کا تعلق ہو حکمت نے اس خوبی سے ان کے رنگ کو اپنایا ہو کہ بے اوقات یہ امتیاز شکل ہو جاتا ہو کہ یہ اشعار حکمت کے ہیں یا اپنے رنگ کے موجب استاد کے، اور پر بیان کیا جا چکا ہو کہ میرا نہیں مرحوم کے کلام اور ان کی منظر نگاری سے حکمت کو ایک خاص لگاؤ تھا اور ان کی فنکاری اور استاد سے بے حد متاثر تھے ان کی اتباع میں پنڈت جی نے "رامائن کاسین" اس انداز اور ان الفاظ میں پیش کیا ہو کہ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ میرا نہیں نے پردیس کے سفر کے وقت کا حقیقی منظر اپنے الفاظ اور اپنے احساس کے ساتھ خدا و قوت بیان میں پیش کیا ہو ہنگامی بکسئی دل میں جذبات کا اُمڈتا ہوا بھر بکراں محبت قلبی، ہندوستان کا ماحول، ہم سے پہلوں کی معاشرت - تہذیب، بات کی پہنچ، قول پر مردانگی کے ساتھ عمل اور ہندوستان کی بے نظیر تاریخ کا پرتو حقیقتاً اس انداز سے پیش کیا ہو کہ سوائے میرا نہیں کے اور کسی دوسرے شاعر کے کلام میں اس کی مثال ملنا ناممکن ہو۔ ذیل میں کچھ بند ہونٹا پیش کئے جاتے ہیں۔

(راجہ را مجندر جی کا ماں باپ سے رخصت ہونا)

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام راہ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
منظور تھا جو ماں کی زیارت کا انتظام دہن کے اشک پوچھ کے دل سے کیا کلام

اظہارِ سبکی سے ستم ہو گا اور بھی

دیکھا ہیں ادا س تو غم ہو گا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ نو نہال خاموش ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک درہیں ہی مٹھیِ رختہ خال سکتہ سا ہو گیا ہی یہ ہی شدتِ ملال

تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہی

گو یا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہی

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بگینا نورِ نظریہ دیدہ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی بوں کو بھری ایک سرواہ لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں کی رخ کی راہ

چہرے کا رنگ حالتِ دل کھوتے لگا

ہر نئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیرِ یاس کا قفل دہن کھلا واقعا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھلا
اک دن ترِ مظالم چرخِ کہن کھلا انسانہ شد اندر رنج و محن کھلا

درد دل غریب جو صرف بیان ہوا
خون جگر کا رنگ سخن سے عیاں ہوا

روکھا نموش کھڑے کیوں ہو میری جا میں جاتی ہوں جس لیے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی بھی ہو تو صبر اکہ حوڑاں لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز نہ گئی ہوں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بچھڑ

جوگی بنا کے راج دلارے کو بھیجیں

دنیا کا ہو گیا ہو یہ کیا لہو سفید اندھا کے ہوئے ہو زندہ مال کی امید
انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید سوچے بشر تو چشم ہولناں مثال بید
لکھی ہو کیا حیات ابدان کے واسطے

پھیلا رہی ہیں جال یہ کس دیکھو

ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر گھر جن کے بے چرخ رہی ہونگے غم بھر
رہتا مرا بھی غم تھا جو بے اثر یہ جانے صبر حق کہ دعائیں نہیں اثر
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا

پھل پھول لا کے باغ تنہا اُڑ گیا

مسن کزباں سے ماں کی سی فریاد غمیر اُس خسہ جہاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
حالم یہ تھا قریب سے آنکھیں ہوں لاشکین لیکن ہزار ضبط سے روئے کی گریز

سُچا یہی کہ جان سے بکس گزرنے جائے

ناشاد ہم کو دیکھ کے مال و میر نہ جائے

پھر عرض کی یہ ماورائے شاد کے حضور مایوس کیوں ہیں آپ لہم کاہ کیوں نور

صد مہ یہ شاق عالم پیری میں ہو فخر ٹیکت نہ دل سے کیجئے صبر قرار و دور

شائد خزاں سے نکل عیاں ہو بہار کی

کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

پڑتا ہو جس غریب پہ پہنچ و سخن کا بار کرتا ہی اس کو صبر عطا آپ کردگار

مایوس ہو کے ہوتے ہیں انسان گناہ گار یہ جانتے نہیں وہ ہو دانائے روزگار

انسان اس کی راہ میں ثابت قدم رہو

گردن دہی ہو امر و نہایں جو خم ہو

اپنی گاہ ہو کرم کا رساز پر صحرائیں بے گاہ وہ ہو مہربان اگر

جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہا نہیں وہ حال سے بند کے بغیر

اُس کا کرم شریک اگر ہو تو غم نہیں

ولمان و دشت دامن او سے کم نہیں

مال کا جواب

یہ گفتگو ذرا نہ ہوئی ماہ بہ ماہ گر ہنس کر دفور یا پس سے لڑکے پہ کی نظر
 چہرے پہ یوں تہی کا نمایاں ہوا اثر جس طرح جانبداری کا ہوشیار میں گزر
 یہاں جو سبکی تھی وہ چہرے پہ چھائی گئی

جو دل کی مُردنی تھی نگاہوں میں آگئی

پھر یہ کہا کہ میں نے سُنی سب دہتاں لاکھوں برس کی عمر ہوتے ہوں کو گدیاں

لیکن جو میرے دل پہ ہو درپیش آتاں بچے ہو اس کا علم نہیں تم کو بے گماں

اس درو کا شریک تمہارا جگو نہیں

کچھ مٹا کی آج کی تم کو خبر نہیں

ان آنسوؤں کی قدر تھیں کچھ ابھی نہیں باتوں سے جو سمجھے یہ وہ دل کی لگی نہیں

لیکن تمہیں ہو سچ یہ میری خوشی نہیں جاؤ سدا رو خوش رہو یہ کتنی نہیں

دنیا میں بے حیائی سے زندہ رہو گئی

پالا ہوئے تم کو تو دکھ بھی سہو گئی

طوفان آنسوؤں کا زباں سے ہوا تہ بند رک رک کے اس طرح ہوا گو یادہ درد

بہو پئی ہو مجھ سے آپ کے دل کو اگر گزند مرنا مجھے قبول ہو جینا نہیں پسند

جو بے وفا ہو، ماورنا شاد کیسے

دورخ یہ زندگی، ہر اس اولاد کھلے

بن باس پر خوشی سے جو رضی ہوگا کس طرح شہد دکھانے کے قابل ہو گائیں

کیونکر زبان غیر کے طعنے سہول گائیں دنیا جو یہ کہے گی تو پھر کیا کہو گائیں

لڑکے تھے بے خیالی کو نقشِ حبیب کیا

کھیا بے ادب تھا باپ کا کہنا نہیں کیا

تاشیر کا طلسم تھا معصوم کا خطاب خود ماں کے دل کو چوٹ لگی سن کے یہ جواب

غم کی گھٹا سے بہت گئی تائی عتاب چھاتی بھڑائی ضبط کی باقی رہی نہ تاب

سر کا کے پاؤں گود میں سر کو اٹھالیا

سینے سے اپنے تحت جگر کو دگالیا

دو دنوں کے دل بھرائے ہو ادھر ہی بسا گنگ و جن کی طرح سے آنسو ہو رواں

بہرا نکھ کو نصیبِ اشک فاکھاں ان آنسوؤں کا مول اگر ہو تو نقد جاں

ہوتی، ہر اس کی قدر فقط دل کے راج میں

ایسا گھر نہ تھا کوئی دُشتر کے تلج میں

معقین حال نے میرا نہیں کو ان کی منظر نگاری اور سلاست کی بنا پر

دنیا کے صفِ اول کے شعرا میں شمار کیا ہو۔ جب ہم حکایت کو میرا نہیں کے

رنگ میں دیکھتے ہیں اور ان کی اتباع میں پورے طور پر کامیاب پاتے ہیں
 تو یقین ہوتا ہو کہ سنڈت جی نے اگر صرف چوالیس سال کی عمر نہ پائی
 ہوتی اور دوسرے اساتذہ کی طرح صبح پیری کے بھی منظر دیکھے ہوتے
 تو گلہائے مضامین سے کتابوں کے باب بھرے پڑے ہوتے اور صبح طور پر
 محققین ان کو دنیا کے شعراء کے صفِ اول میں شمار کرتے نہ کہ خود شاعر
 اس کا احساس کرتا۔

ذکر کیا آئے گا بزمِ شعرا میں اپنا
 میں تخلص کا بھی دنیا میں گنہگار نہیں
 (چکبست)

ارتخاب غزلیات از دیوان "صلح وطن"

غزل

دل ہی سُجھا ہوا ہو تو لطف بہار کیا ساقی ہی کیا شراب ہو کیا سنبہ زار کیا
 دیکھا سُور بادہ ہستی کا خاتمہ اب بکھیں رنگ لائے اہل کا شمار کیا
 اب کی تو شام غم کی سیاہی کچھ اور ہے منظور ہی تجھے مرے پروردگار کیا
 جس کی نفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح اُس کے لیے چین کی خزاں کیا بہار کیا
 خلعت کفن کا ہم تو زمانہ سے لے چکے اب ہو عروسِ مرگ تجھے انتظار کیا
 اعمال کا ظلم ہو نیزنگِ زندگی تقدیر کیا ہی گمروش لیل و نہار کیا
 چلتی ہو اس چمن میں ہوا نقاب کی شبِ نیم کو آئے دہن گل میں قرار کیا
 تغیرِ حال زار ہی بس اک نگاہِ یاس ہواستانِ درد کا اور ختمِ کار کیا

چھٹکی ہوئی ہو گدغریباں پہ چاندنی

ہی بکیوں کو نیکر چراغِ مزار کیا

کہتے ہیں جے ابرودہ میخانہ ہی میرا جو بھول کھلا باغ میں پیمانہ ہی میرا
 دریا مرا آئینہ ہی لہریاں مرے گیسو اور موجِ نسیم سحری ستانہ ہی میرا
 ہر ذرہ خاکی ہی مرا مونس و بہم دنیا جے کہتے ہیں وہ کاشانہ ہی میرا
 جس گوشہ دنیا میں پریش ہو وفا کی کعبہ ہی وہی اور وہی بت خانہ ہی میرا

میں دوست بھی اپنا ہوں غم بھی اپنا اپنا ہو کوئی اور نہ بے گمان نہ ہی میرا
 عاشق بھی ہوں معشوق بھی یہ طرفہ مزا ہی دیوانہ ہوں میں جس کا وہ دیوانہ ہو میرا
 خاموشی میں مایاں رہتا ہو تسخیر کا عالم میرے لب خاشوش پہ انسان نہ ہی میرا
 کہتے ہیں خودی کس کو خدا نام ہو کس کا دنیا میں نقطہ جلوہ جانا نہ ہی میرا

شاعر کا سخن کم نہیں محذوب کی بڑے

ہر ایک نہ سمجھے گا وہ انسان نہ ہی میرا

خدا نہیں ہو محبت کی رنگ و بو کے لیے ہمارا عالم فانی رہے رہے نہ رہے
 جنوں حب و وطن کا مزا شباب میں ہی ہو ہو میں بھر پور دوانی رہے رہے نہ رہے
 جہول میں زخم لگے ہیں وہ خود پکار گیا زباں کی سیف بیانی رہے رہے نہ رہے
 دلوں میں آگ لگے یہ وفا کا جو ہر ہو یہ جمع خراج زبانی رہے رہے نہ رہے

ایک ساغر بھی غمایت نہ ہو یاد رہے ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے
 دل وہ دل ہو جو سدا غلبہ سے ناشاد رہے لب لب ہو جو نہ شرمندہ فریاد رہے
 تال ہو گہرا ہو اول کا سنبھالوں کہ تیک لے کی پابند کہاں تک مری فریاد رہے
 آہے ہم سے ہوا تھا کبھی پیمان وفا کیجئے ظلم مگر وہ بھی گھڑی یاد رہے
 مجھ کو مل جائے چکنے کے لیے شاخ مری کون کہتا ہو کہ گلشن میں نہ بستیاد رہے
 بارش میں لے کے جنم ہم نے اسیری جیلی ہم سے اچھے رہی جنگل میں جو آزاد رہے

نرہاں کو بند کریں یا مجھے اس پر کریں
 یہ کیسی نیرم ہو اور کیسے اس کے ساقی ہیں
 مرے خیال کو بٹیری پنہا نہیں سکتے
 یہ بکری بھی عجب بکری ہے وُسیا میں
 قسرب ہاتھ میں ہو اور پلا نہیں سکتے
 کوئی ستائے ہیں ہم تا نہیں سکتے
 یہ تھا قریب کو دعویٰ وہ آ نہیں سکتے
 کشمیش وفا کی انہیں کھینچ لائی آخر کار

چراغ قوم کا روشن ہو عرش پر دل کے
 اسے ہوا کے فرشتے سجھا نہیں سکتے

کبھی تھا ناز زمانے میں اپنے مُنہ یہ بھی
 رگوں میں خون دہی ول دہی جگر ہو دہی
 پر اب عروج وہ علم و کمال فن میں نہیں
 دہی زباں ہو مگر وہ اثر سخن میں نہیں
 دہی ہو نوم دہی شمع ہو دہی فانوس
 فدائے بزم وہ پرستانے انجن میں نہیں
 غرور و جہل نے ہندوستان کو لوٹ لیا

بجز نفاق کے اب خاک بھی وطن میں نہیں

کے معلوم ہو کیا رنگ بدلے گی نقاں اپنی
 ٹہری ہیں تیر بن کر نگاہیں پاسبانوں کی
 خدرا حافظ ہو دل کا بندہ سوتی ہو زباں اپنی
 غزالان حرم بھلے ہوئے شوخیاں اپنی
 چمن ویران ہوتا ہو خبر لے باغباں اپنی
 سب گرسن نہیں سکتا ہو شاہد ہوتا اپنی
 بیان درد دل پر بھی گماں ہو بد زبانی کا
 فریب زندگی جس نے نہ دیکھا ہو مجھ دیکھے
 نہ سینے میں ہو دل اپنا نہ مُنہ میں ہو زباں اپنی

صدادیتا ہے یہ میرا گر میاں چاک مچنے پر ہزاروں سیرہن پیہ اگر نگہی دھجیاں اپنی
 نہ بدلتی ہو نہ بدلے گی ترنگ اپنی طبیعت کی
 دکھائے گا کہاں تک آسماں نیرنگیاں اپنی

گمروں میں خم ہیں نہ امت سے دل آزارو کی رہ گئی بات زمانے میں وفاداروں کی
 قاضی وقت نے برسات میں توبہ توڑی رند آزاد ہوئے عید ہو میخواروں کی
 بیگناہوں کا تو انصاف ہوا دنیا میں اب میں دیکھنی ہو شرم گنگاروں کی
 دل میں ارمان ہو اس طرح سے آزادی کا
 جیسے گنگا میں جھلکتی چمک تاروں کی

زباں سے جوش قومی دل میں پیدا نہیں سکتا اُبلنے سے کنواں مسرت میں دریا ہو نہیں سکتا
 گراں ہو جنسِ انزیت خرد یاد دہی ابر ہو اب اس بازار میں اُفت کا سودا ہو نہیں سکتا
 کمال بزدلی ہو بہت ہونا اپنی آنکھوں میں اگر تھوڑی سی بہت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا
 ابھرنے ہی نہیں دیتی یہاں بے مانگی دل کی نہیں تو کون قطرہ ہو جو دریا ہو نہیں سکتا

محبت ہو مجھے کوئل کے دندہ بگڑناؤں سے

چمن میں جا کے میں پھولوں کا شیدا ہو نہیں سکتا

فسانہ ہو گئے آزار دشمن کی بُرائی کے لگے دھڑخم دل پر دوستوں کی بیوفائی کے
 بردل سے بھی یہاں برتاؤ رکھے ہیں بھلائی کے بنایا با وفا اس دل کو صدقے پہ بھلائی کے

زمانے کی محبت پر نہ ہوا ہے ہم نشین نازاں
سنائیں گے تجھے فرستے قصہ آشنائی کے
یہ وہ غم ہو کہ جس کی پرورش نال خوب کرتا ہو
زباں نال نہیں سکھایا ہو شکوے بے وفائی کے
جلا دی دل کو میرے قلب دشمن کی سیاحی نے

کدورت واں بڑھی ادراں کھلے جوہر صفائی کے

اگر وہ محبت سے نہ انساں آشنایا ہوتا
نہ مرنے کا ستم ہوتا نہ جینے کا مزا ہوتا
ہزاروں جان دیتے ہیں تبوں کی بیوفائی پر
اگر ان میں سے کوئی با وفا ہوتا تو کیا ہوتا
خدا کو بھول کر انسان کے دل کا یہ عالم ہو
یہ آئینہ اگر صورت نہ ہوتا تو کیا ہوتا
ہوس جینے کی یوں ہو عمر کے سیکار کشتے پر
جو ہم سے زندگی کا حق ادا ہوتا تو کیا ہوتا
یہ مانا بے حجاب نہ نگاہیں تھرکتی رہیں
مگر حسن حیا پر پردہ کا عالم دوسرا ہوتا

زباں کے زور پر ہنگامہ آرائی سے قیام مل

وطن میں ایک دل ہوتا مگر دوسرا تھا ہوتا

دوستی میں اپنا اپنا حق ادا کرتے رہے
وہ جفا کرتے رہے اور ہم وفا کرتے رہے
کیا کہیں کس سے کہیں دنیا میں کیا کرتے تھے
پتھیں ہوتی رہیں شکر خدا کرتے رہے

اہل ہمت منزل مقصود تک آ ہی گئے

بندہ تقدیر قسمت سے گلا کرتے رہے

جہاں میں آنکھ جو کھولی خاک کو بھول گئے
کچھ ابتدا ہی میں ہم انتہا کو بھول گئے

نفاق گبر و مسلمان کا یوں مٹا آ خر یہ بت کو بھول گئے وہ خدا کو بھول گئے
 ہوا مزاج کا عالم یہ سیر پورپ سے کہ اپنے ملک کی آ بٹ ہوا کو بھول گئے
 نہیں لڑتی ہو جتے ہیں خون کے دریا
 خودی کے جوش میں بڑے خدا کو بھول گئے

نفاق کا ہوش آنا زندگی کا درد سر جانا اجل کیا ہو خار بادہ ہستی اتر جانا
 کہ شمع یہ بھی ہو لے بے غلغلہ اس قوی کا تلاش مذق میں اہل ہنر کا درد برد جانا
 یہ سودا زندگی کا ہو کہ غم انسان سہتا ہو نہیں تو ہو بہت آسان اس حلیے مر جانا
 جن زار محبت میں اُسی نے باغبانی کی کہ جس نے اپنی محبت ہی کو محنت کا تر جانا
 سدھاری منزل ہستی سے کسچے غدا ہی سے تن خاکی کو بشارت مدد سے گرو سفر جانا
 اجل کی نیند میں بھی خواب ہستی کو نظر آنا

تو پھر بیکار ہو تنگ آ کے مرے نیا سے مر جانا

شجر سکتے ہیں پر خار ہوش ہیں بلب نشین میں سدھارا قافلہ چھوڑ کر لانا ہو گلشن میں
 گواں قوی و قوی و شہنشاہ بھی جن پیلوں کو کشنیں ترقیاتی رہتے وہ پھولے چھلکے ہو کہ دہن میں
 مٹا تھا اسے بھی جذبہ شوق قاتل کو نشان قبر مجنوں داغ ہو صحرائے دہن میں
 رہائے میں نہیں اہل ہنر کا قدر داں باقی نہیں تو سیکڑوں موتی میں سے ایک دہن میں
 یہاں تسبیح کا حلقہ وہاں زنا کا پھندا اسیر ہاڑی ہو دیکھ شیخ و بزرگ دہن میں

دکھایا مجھ نے جن بشر کا دستِ قدرت نے
بھری تاثیر تصویر گلی کے رنگ و روغن میں
شہید یاس ہوں سودا ہوں کامی کے ہاتھوں سے
جگر کا چاک بڑھ کر آگیا ہی میرے دامن میں
جہاں میں رہ کے پون قائم ہوں اپنی بے نیابتی پر
کہ جیسے عکس گل رہتا ہو اب جوئے گلشن میں
نہیں ہوتا ہی مصلح نہ لاشِ نفیس شبنم کا !
اندھیری رات میں ہوتی لٹا جاتی ہر کشتین

وطن کی خاک سے مر کر مجھا ہم کو لاشِ باقی، ہر

مزا و امان ماور کا، ہر اس مٹی کے دامن میں

کٹاکش ہو امید یاس کی یہ زندگی کیا ہو
الہی الیسا ہستی سے تو ہو اچھا عدم میرا
کھری تھیں اسے بکے ہو لاکھوں تنائیں
شہید یاس ہوں کالا ہو کس شکل کو میرا
زبانِ حال سے یہ کھنڈ کی خاک کہتی، ہو
ٹٹا یا گردشِ افلاک نے جاہ و حشم میرا
کیا، ہی فاش پر وہ کفر و دیں کا اس قدر میں نے
کو شمن ہو بہرینِ ابد و عیشِ حرم میرا

رہی ہو ایک طرزِ آرزو کی آرزو باقی

اسی پر ختم ہو مہمانہ درو و الم میرا

باغیاں نے یہ اندھا ستم اسجا و کیا
آشیاں چھونک کے پانی کو بہت یاد کیا
جس پر جا بہت روئے فقط اتنا تھا
گھر کو دیراں کیا قبر کو آباد کیا
عقل کیا چیز ہر اک وضع کی پابندی ہے
دل کو مدت ہوئی اس قید سے آزاد کیا
اس کو ناقدِ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

اُترے ہیں صحنِ باغ میں پھولوں کے قافلے نظریں دکھا رہی ہیں عروسِ بھار کو
 رحمت سے بھی عزیز ہے رحمت کی آرزو دل ڈھونڈتا ہے سلسلہ انتظار کو
 لایا ہے کیا پیامِ وطن پوچھتا ہوں میں غربت میں دیکھتا ہوں جواہرِ بہار کو
 خود ہی مٹا کے جو ہر اسیان و آبرو ہم کو ستے ہیں گردشِ لیل و نہار کو
 یہ کہہ کر ان کی نبرم میں ہم بھی پہنچ گئے

کیا تھا جو آج یاد کیا خاکسار کو !

ہو شوق کی منزل بھی دنیا کے سفر میں کیا خاکِ جوانی ہو جو سودا نہیں سر میں
 یہ رنگِ شفق ہو کہ لہو اہلِ وفا کا کچھ داغِ نظر آتے ہیں دامنِ بحریہ
 دنیا مرے نالے سے کھینچ آتی ہو قفسِ تک میلہ سا لگا رہتا ہے صیاد کے گھر میں
 کچھ داغِ گناہوں کے ہیں کچھ اشکِ ہمت

عبثت کا مرقع ہو مرے دامنِ تر میں

نہیں منظرِ حینارِ روشناس چارہ گر ہو کہ رہی گا پاسِ غیرتِ بیدہ زخمِ جگر ہو کہ
 ازل کے دن مٹا دینا تھا اس مٹی کی صورت کو ہلکے جس نے فتنہ آفرینش کے بشر ہو کہ
 عدم سے آئے تھے دنیا میں کیا معلوم تھا ہم کو رہی گا ساتھ سودا زندگی کا دروس ہو کہ

طلوعِ صبح کیا ہے مریضہ ہو رونقِ شب کا

اڑا ہے رنگِ رخِ مہتاب کا نورِ سحر ہو کہ

آپ معشوق ہیں قاتل نہیں بجاؤ نہیں
 دل دکھانے کے لیے حسن خدا واد نہیں
 یہ غلط ہو کہ ہمیں طرزِ نفاں یاد نہیں
 اب وہ عالم ہی کہ گنجائش فریاد نہیں
 باغ میں جا کے مجھے اور شمع ہوتا ہی
 پھول تپتے بھی مکرول کی طرح شاؤ نہیں

قد مدائ کیوں مجھے تکلیف سخن میتے ہیں

میں سخنور نہیں شاعر نہیں استاؤ نہیں

زندگی تلخی ایام کا اس نہ ہے
 نہ ہر بھرنے کے لیے عمر کا بیانہ ہی
 بے حجابِ حق تری نرگس مستانہ ہی
 اب جسم ہوش کا سودا ہو وہ دیوانہ ہی
 نظر آتا ہو فقیر میں تماشائے جہاں
 ٹھیکہ اھبیک کا مجھ شعیہ کا بیانہ ہی

دل ہو مایوس کہ نیت نہیں ساتی کی درست

آنکھ کھلتی ہی یہ شیشہ ہی یہ بیانہ ہی

فکرمینا کیوں ہی ساقی کیوں لا شام ہی
 تو لگاؤ کے گھر سے خم مینا ہمارا کام ہی
 عاشقوں کا اور زندوں کا ہجومِ عام ہی
 ہی گنگاروں کا ملبہ حشر جس کا نام ہی
 دیکھنا ہی حسن کے چہرے تو بہت خانے میں آ
 تیرے کعبہ میں تو وہاں غلطی خد اکا نام ہی
 ہو گیا ہوں ساری دنیا کے گناہوں میں شریک
 جب میں نے یہ سنا ہی اس کی رحمتِ عام ہی
 لطفِ شاہی کی تمنا غیر کے دل میں رہی
 ہم فقیروں ہی سے زندہ کھنڈ کا نام ہی
 کفر ہی اس کی شکایت جس نے دل پیدا کیا
 دل سے جو پیدا ہوئی وہ آرزو بدنام ہی

کیا کوٹھیں کھاتی ہیں عالم اُجھار کا !
 آنکھیں سرک گیا ہی عروس بہار کا
 فسرہ خاطر ان چین خوشبر نہیں
 آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا
 پھیلی ہو جیسے گورِ غریباں میں چاند
 عالم یہ ہم خوشی میں دلِ داغدار کا
 وہ دل گئے کہ تجھ سے لڑتے تھے اے جل
 اب زندگی ہی نام تیرے انتظار کا

غنچے عدم سے آئے ہیں اپنے ہوئے کفن

اتھام ہو نظر میں دُروڑہ بہار کا

جنت میں خاک بادہ پرستوں کا دل لگے
 نقشے نظر میں محبت پیر مغاں کے ہیں
 اکسلسلہ ہوں گا ہی انساں کی زندگی
 اس ایک مُشتِ خاک کو غمِ دو جہاں کے ہیں
 قصہ لکھے ہوئے ہیں جو فر بادِ وقیس کے

کہہ رہے ہوئے درق وہ مری دریاں کے ہیں

شورشِ دیر و حرم سے جب پریشان ہو گئے
 کچھ سمجھ کر ہم شریکِ بزمِ زنداں ہو گئے
 مفلسی میری محبت کی کوٹی بن گئی
 ہمتِ ہباب کے جو ہر نایاں ہو گئے
 نفقتِ زندگی کے واسطے اکسیرا
 خاک کے تیلے اسی جو ہر سے انساں ہو گئے
 حُسن کی دولت سے تھے گلہائے نورسِ بخیر
 دیکھ کر رنگِ جن کا نئے نگہاں ہو گئے !
 مے کے قطرے کیلئے جب تاں ہم تھے ساعویہ
 میرے ہونٹوں تک پہنچا تھا کڑواں گئے
 پڑ گئی بازارِ محشر میں گنہگاروں کی ساک
 رحمتِ باری کے سکے داغِ عصیاں ہو گئے

جام تک خم سے شراب آنے میں ہوتی ہو دی
ہم تو ساقی کے تکلف سے پریشاں ہو گئے

طیش شوق کو موسیٰ کی نظر ہے درکار در نہ دنیا میں تجلی نہیں یا طور نہیں
دار سونی ہو فقط نعرہ زنی باقی ہی مست و مجذوب ہیں لاکھوں کوئی منصور نہیں!
شہرہ خاص کا طالب جو ہوناں ہو وہی در نہ شیطان سے زیادہ کوئی مشہور نہیں
کیوں رُلانے کو مٹاتے ہو فنا کے قصے

دوست و اب تو محنت کا یہ دستور نہیں

دل کے تسخیر، بختا فیض و حانی مجھے حُبِ قوی ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے
جانتا ہوں وسعتِ دل حواءِ غم کے لئے ہمتاں ہو رنج و حرام کی فراوانی مجھے
ذرہ ذرہ ہی مرے کشمیر کا میہاں نواز راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے
خود پرستی مٹ گئی قدر محبت بڑھ گئی

ما تم احباب ہو تسلیم مدحانی مجھے

جانبِ شیخ کو مشتق ہو یا دِ الہی کی خبر ہوتی نہیں دل کو زباں یاد کرتے ہیں
سب سے عمر رواں کا دلنشیں ہونے نہیں پایا ہمیشہ بھولتے جاتے ہیں جو کچھ یاد کرتے ہیں
نہ جانی قدر تیری عمر رفتہ ہم نے کالج میں
نکل آتے ہیں آنواب تجھے جب یاد کرتے ہیں

